مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی*

مغرب اور دہشت گردی

یہ سچ ہے کہ مغربی سامراج نے پوری دنیا پر اپنی اجارہ داری قائم کرلی ہے۔ اس نے مشرقی ملکوں کے تعلیمی نظام کو بدل کر اپنے مفاد کے مطابق کیا، سماجی قدروں کو بدلا، اکثر ملکوں کی زبان بدلی، بعض ملکوں میں رسم خط بدلا، قوم کے مختلف طبقات میں نسلی عصبیتیں پیدا کرکے ان کے درمیان کشمکش پیدا کی، ایسی تہذیب کو رواج دیا جس کی بنیاد مغربی تصور اور مادی رجحان پر قائم ہے جس میں انسانی اور اخلاقی اقدار وروایات کی صرف گنجائش ہی نہیں ہے؛ بلکہ ان کو قدامت پرستی تصور کیا جاتا ہے۔ اس مادی تہذیب کے اثر سے ایسی تحریکیں، دعوتیں اور ایسے خیالات، افکار ونظریات اور رجحانات وجود میں آئے جو مطلوبہ اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے ظلم وتشدد، بربریت اور سفاکی کی تلقین کرتے ہیں، اس کے سمجھنے کے لیے مغربی ادبی نظریات کا مطالعہ کافی ہے اور جو لوگ مغربی سامراج کی تاریخ سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ عہد خون خرابہ، قتل وغارت گری، ظلم وزیادتی، سفاکی اور آزادی رائے کے سلب کرنے کا عہد تھا، ان سامراجیوں نے اپنے سامراج کے استحکام کے لیے مغلوب قوموں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ کسی پر مخفی نہیں، خود ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے واقعات اس پر شاہد ہیں، کمزور قومیں مدت دراز تک مغربی جارحیت، ظلم وتشدد، ذلت ورسوائی اور محرومی وبدبختی کا شکار رہیں، اس جارحیت، بربریت، سفاکی اور ظلم واستبداد کو کون نہیں جانتا، جس کا مظاہرہ برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، پرتگال، اٹلی اور سوویت یونین نے اپنی اپنی نوآبادیات میں کیا، فرانس نے تو الجزائر اور دوسرے عرب ملکوں کو اسلامی اور قومی تشخص سے محروم کرنے کے لیے ظلم وسفاکی کی ساری حدیں پار کردیں، سوویت یونین کے ستر سالہ دور اقتدار میں انتہاپسند اور ظالم اشتراکی نظام نے ایشیا کی مسلم ریاستوں میں جو زیادتیاں اور مظالم کیے اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اس انتہا پسند اشتراکی نظام نے مظلوم ومقہور قوموں پر ایسے افکار وخیالات، نظریات وتصورات اور ایسی تہذیب نافذ کی جو ان کے دین وعقیدہ کے ہی خلاف نہیں تھی؛ بلکہ ان کی قومی خصوصیات کے خلاف تھی، اس نے زندگی کا رخ بدل دیا اور ایسا نظام قبول کرنے پر مجبور کیا جو ان کی دینی غیرت وحمیت اسلامی خودداری اور عقیدہ کو قبول نہیں

---

* معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

تھا، ان طاقتوں نے کئی بار علاقائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر تنازعات اور جھگڑے پیدا کر کے اور خونریز جنگیں بھڑکا کر دنیا کا نقشہ تبدیل کر دیا اور ان خونریز جنگوں نے قوموں کو کمزور اور بدحال کر دیا اور تہذیبوں کے اثرات ونشانات مٹا دیے، موجودہ دنیا کا نقشہ حقیقت میں سامراجی طاقتوں کا بنایا ہوا نقشہ ہے۔ جس میں ایک قوم کو کئی ملکوں میں بانٹا گیا ہے اور ایک قوم کے ایک چھوٹے حصہ کو دوسری قوم سے جوڑ کر کشمکش کے دائمی اسباب فراہم کیے ہیں۔

ان سامراجی طاقتوں نے معدنی، قدرتی وسائل سے مالامال علاقوں پر ناجائز قبضہ کیا اور وہاں اپنی تہذیب عام کی تاکہ وہ ان کے کنٹرول میں باقی رہیں۔

امریکہ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ مصیبت زدہ اور پریشان حال لوگوں کا ملجا وماوا ہے، اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ ایک ایسا جمہوری ملک ہے جہاں حقوق انسانی کا پاس ولحاظ رکھا جاتا ہے، اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس نے کبھی کسی ملک پر ناجائز قبضہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی قوم کو اپنا غلام بنایا، جیسا کہ فرانس اور برطانیہ نے کیا کہ ان دونوں ملکوں نے اپنی نوآبادیات اور اپنے زیر اثر علاقوں میں عقیدہ، ثقافت اور زبان کو تبدیل کر کے قوموں کے مزاج وفطرت کو بدل دینے کی کوشش کی، لیکن ان دعووں کے باوجود امریکہ اعلانیہ اور کھلم کھلا پوری دنیا پر اپنا تسلط اور اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے، ماضی میں امریکہ یہ کام دفاعی اور اقتصادی امداد کی آڑ میں کر رہا تھا، دوسری سامراجی طاقتوں کے کمزور ہونے کے بعد امریکہ نے "نیا عالمی نظام" کے نام سے پوری دنیا پر ایک ایسا نظام نافذ کرنے کا اعلان کر دیا جس کا مرکز وسرچشمہ امریکہ ہو اور اب تعاون اور امداد کی آڑ میں اپنے زیر اثر ملکوں پر من مانی شرطیں لگانی شروع کر دی ہیں اور وہ اپنا سیاسی ودفاعی نظام نافذ کر رہا ہے اور ان ملکوں پر اپنا خاص تصور حیات رائج کر رہا ہے، اس نے یہ نیا نظام اپنی پسند کی حکومتوں کے ذریعہ جنھیں عوامی حمایت حاصل نہیں ہے، نافذ کروانا شروع کر دیا ہے جس طرح قدیم سامراجی طاقتیں تہذیبی اور اقتصادی طور پر قوموں کو مغربی تسلط کے ذریعہ اپنا تابع بنانے پر مجبور کرتی تھیں۔

امریکہ نے اپنے نظریہ اور تصور حیات کو عام کرنے کی خاطر حکومتوں کو اپنا آلہ کار بنایا ہے اور قوموں اور عوام کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اور ان کی امنگوں، خواہشوں اور آرزوؤں سے صرف نظر کی ہے اور ان کی ضروریات زندگی اور مقاصد سے چشم پوشی کی ہے، چنانچہ جن ملکوں کے حکام اور ارباب حکومت امریکی حکام کی خواہشوں پر چلتے ہیں، وہاں کے عوام زندگی کے میدان سے الگ تھلگ ہو کر رہ گئے ہیں، ان کا اپنے ملک کی سیاست میں نہ تو کوئی دخل ہے اور نہ کوئی اثر ورسوخ، اس پالیسی کی وجہ سے حکومتوں اور سیاسی لیڈروں کے درمیان اور عوام اور عوامی قائدین کے درمیان زبردست دوری پیدا ہوگئی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ امریکہ تنظیموں اور تحریکوں حتی کہ دہشت گردی، تشدد، انتہاپسندی اور جبر واکراہ کے معاملہ میں امتیازی سلوک اور دوہرے معیار کا مظاہرہ کررہا ہے۔ چنانچہ جو "عمل" اس کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے اس کو دہشت گردی کہتا ہے اور جو "عمل" اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے اس کو ردعمل یا دفاع یا فطری امر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس امتیازی سلوک اور دوہرے معیار کا مظاہرہ اس کے اس رویہ سے ہوتا ہے جو امریکہ اسرائیل فلسطین واسرائیلی حکومت اور دوسرے ملکوں کی حکومتوں کے بارے میں زندگی کے مختلف میدانوں میں اپنائے ہوئے ہے۔

وہ تمام ظالمانہ اور دہشت گردانہ کارروائیاں جو اسرائیل عرب عوام پر کرتا رہتا ہے، وہ امریکہ کی نظر میں ملک کی سلامتی کی خاطر ہیں، انتہاپسند اسرائیلی لیڈر جو عربوں اور فلسطینیوں کو بموں، راکٹوں اور ہتھیاروں کے ذریعہ تباہ وبرباد کردینے کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً استعمال کرتے رہتے ہیں، امریکی حکام کے اندر ذرا بھی حرکت پیدا نہیں کرتے، یہاں تک کہ پناہ گزینوں کے کیمپوں میں ہزاروں بچوں اور عورتوں اور مردوں کا بیہمانہ قتل امریکہ کی نگاہ میں دہشت گردی نہیں بنتا اور اگر اس کے خلاف اقوام متحدہ میں کوئی تجویز آتی ہے تو امریکہ اس کو اپنے اثر سے بے اثر کردیتا ہے۔ اور اسرائیل کے خلاف آنے والی ہر تجویز کو رد کردیتا ہے۔ امریکہ کا دوہرے معیار والا یہی موقف ان حکومتوں کے سلسلہ میں ہے۔ جو غیر جمہوری حکومتیں امریکہ کے مفاد کے مطابق کام کررہی ہیں، امریکہ کو ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ جابرانہ اقدامات کی وہ تائید کرتا ہے۔ اسی طرح اس کا رویہ دینی تنظیموں اور بنیاد پرست تحریکوں کے بارے میں بھی ہے جو ملک کے اندر اور ملک کے باہر تشدد، دہشت گردی اور جارحیت کا مظاہرہ کررہی ہیں وہ اگر غیر اسلامی ہیں اور مسلمانوں کے خلاف ہیں تو وہ امریکہ کی نظر میں دہشت گرد یا خطرناک نہیں، خاص طور پر عیسائی، یہودی تحریکیں جو اسلام دشمن سرگرمیوں میں مشغول ہیں، ان کی امداد پر امریکہ کو کوئی اعتراض نہیں، دنیا کے مختلف حصوں میں مسلم تحریکوں کے خلاف جو کارروائیاں ہورہی ہیں امریکہ ان کا مؤید ہے۔ اس کے مقابلے میں عیسائیوں اور یہودیوں کے خلاف کوئی معمولی واقعہ امریکہ کے غصہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کے لیے اس نے ایک قانون بھی بنایا ہے۔ جو لوگ دعوت اسلامی کا کام کررہے ہیں، دینی تعلیم عام کرنے کی کوشش کررہے ہیں، معاشرہ کی اخلاقی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہیں، دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ انسانی سلوک کی دعوت دیتے ہیں اور دوسرے مذاہب کا احترام بھی کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں کی سرگرمیاں اور کوششیں امریکی حکام کی ڈکشنری میں دہشت گردی ہیں، یہی حال یورپ کے دوسرے حکام کا بھی ہے جو امریکی حکام کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اور اسلامی سرگرمیوں کے سوتوں کو خشک کردینے کا منصوبہ بنا رہے

ہیں، کیونکہ ان کی نظر میں یہ سوتے ان کے مفادات کے لیے خطرہ ہیں۔

افغانستان، عراق اور دیگر ملکوں میں امریکی کارروائی حقیقت میں کسی ایک ملک یا کسی فرد واحد کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ میڈیا باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ بلکہ اسکا نشانہ ایک خاص "رجحان" اور مخصوص "طرز عمل" ہے جسے امریکہ دہشت گردی تصور کرتا ہے۔ دہشت گردی کی جو تشریح و توضیح کی جارہی ہے وہ صرف اسلامی فکر پر منطبق ہوتی ہے اور دہشت گردی کا خاتمہ کے نام پر جو کارروائیاں کی جارہی ہیں ان کا نشانہ بھی صرف خاص عناصر ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے ممالک اعلان کر رہے ہیں کہ یہ کارروائی اسلام کے خلاف نہیں ہے؛ لیکن اپنے جو نشانے وہ بتاتے ہیں وہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ موجودہ جنگ میں جس کا ایک عرصہ سے منصوبہ بنایا جارہا تھا واشنگٹن اور نیویارک پر ہوئے حملوں سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اس جنگ کی تمہیدی کارروائیاں بھی ایک زمانہ سے اسلامی بنیاد پرستی کے خاتمہ کے نام پر جاری تھیں اور اسلامی ملکوں کی حکومتوں پر زبردست دباؤ ڈالا جارہا تھا کہ وہ اسلامی رجحان کا قلع قمع کرنے کے لیے ہر قسم کی کارروائیاں کریں جس میں حقوق انسانی اور آزادی رائے اور جمہوری قدروں کی بھی کوئی رعایت نہیں تھی۔ چنانچہ اس دباؤ کے نتیجہ میں ترکی اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جو امریکہ کے حکم کے تابع ہیں۔ دینی آزادی پر قدغن لگائی گئی۔ دینی مدارس بند کردیے گئے۔ حجاب پر پابندی عائد کردی گئی۔ اسلامی رجحان رکھنے والے نوجوانوں کو جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ اس ذہن کے ممبران پارلیمنٹ کی رکنیت سلب کی گئی اور سیاسی حقوق سے محروم کیا گیا۔

خود امریکہ میں لاکھوں نوجوان "خفیہ قانون" کے تحت جیلوں میں بند ہیں۔ اس خفیہ قانون میں قیدی پر مقدمہ نہیں چلایا جاتا؛ بلکہ بغیر جرم ثابت ہوئے قیدی جیل میں پڑا رہتا ہے۔ اس پالیسی کی بنیاد پر دنیا کے دوسرے ملکوں نے بھی ایسے ہی قوانین وضوابط وضع کیے ہیں، تاکہ جسے بنیاد پرست اور دہشت گرد سمجھا جائے، اس کو گرفتار کیا جاسکے اور جن ملکوں میں ایسی کارروائیاں نہیں کی گئیں امریکہ ان ملکوں کو ایسی کارروائیاں کرنے کی تلقین کر رہا ہے بلکہ ان پر زبردست دباؤ ڈالا جارہا ہے۔

لیکن خود امریکہ بنیاد پرست تنظیموں اور دہشت گرد تحریکوں سے خالی نہیں ہے۔ ان میں سے متعدد مذہبی تنظیمیں تشدد کی قائل ہی نہیں؛ بلکہ اس پر عامل ہیں۔ لیکن امریکہ نے اپنے ملک کے اندر سرگرم بنیاد پرست اور دہشت گرد تنظیموں اور تحریکات کو نظر انداز کررکھا ہے۔ جس طرح اس نے اسرائیل کی دہشت گردی و نسل پرستی سے چشم پوشی کررکھی ہے اور دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام اور مسلم دشمن تنظیموں اور تحریکوں کی دہشت گردی اور انتہاپسندی کو مسلسل نظر انداز کر رہا ہے۔

ابھی حال میں امریکہ کی بنیاد پرست اور دہشت گرد تنظیموں سے متعلق ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔

جس کا نام ہے "مسیح یہودی اور دنیا کا خاتمہ: سیاسی مسیحیت اور بنیاد پرستی امریکہ میں" (المسیح الیھودي ونھایة العالم: المسیحیة السیاسیة والأصولیة في أمریکا)۔ اس میں یہودیوں کے تسلط اور کٹر عیسائی تنظیموں کے سلسلے میں معلومات درج ہیں اس میں لکھا ہے کہ:

تیسرے ہزارہ کے آغاز کے ساتھ ساتھ بنیادی مذہب میں بنیاد پرستی کے احیاء کے تعلق سے دینی تشدد کی لہر دوڑ گئی ہے اور یہ لہر ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ساحلوں تک پہنچ گئی ہے، چنانچہ ساتویں اور آٹھویں دہائی میں امریکہ میں اسقاط حمل کی ڈسپنسریوں پر حملے کئے گئے اوران ڈاکٹروں اور نرسوں کو قتل کردیا گیا جو اس عمل کو انجام دیتے تھے، کثرت سے بم دھماکوں کے واقعات پیش آئے، اور منظم و مسلح تنظیموں اور دینی جماعتوں نے یہ اعتقاد رکھتے ہوئے اجتماعی خودکشی کرلی، ایک جماعت کا خیال ہے کہ امریکہ ایک مسیحی ملک ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ سیکولر بنیادوں پر پورے عالم کی قیادت کرنے کے بجائے مسیح ثانی کی آمد کی تیاری کرے اس مسیحی بنیاد پرستی نے مسیحی تشدد پسند جماعتوں کے کارکنوں کو لاہوتی جواز پیش کیا ہے، کہ وہ امریکی قوم کے لئے مسیحی پیغام کے احیاء کے لئے سیکولر، سیاسی اور اجتماعی نظام کے خلاف تشدد اور دہشت گردی کا راستہ اختیار کرسکتے ہیں۔

کتاب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلح بنیاد پرست مسیحی جماعتوں اور گروپوں کے اندر دو بنیادی رجحانوں میں تفریق کی جاسکتی ہے پہلے رجحان نے معاشرہ کی تبدیلی کی خاطر دینی تشدد کو مسیحی، توراتی اور دینی قدروں کی بنیادوں پر جائز قرار دیا ہے، دوسرے رجحان کو ہم "امریکن مسیحی وطنی رجحان" کا نام دے سکتے ہیں ،یعنی امریکہ کی مسیحی شناخت کا رجحان۔

تنظیم برائے دفاعی پروگرام اور اس کے بانی پادری مائکل برا (Michael Bray) کو مسیح تشدد پسند تنظیموں کے نمونے کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جو تشدد کے لاہوتی جواز اور اجتماعی نظریہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

"آرمی آف گاڈ" (Army of God) کی تعبیر کو امریکی میڈیا میں ۹۸-۱۹۹۷ء میں رواج ملا، چنانچہ ۱۹۹۷ء میں ایک زنانہ ڈسپنسری پر دھماکہ ہوا جہاں اسقاط حمل کا عمل انجام پاتا تھا، اسی طرح اٹلانٹا (Atlanta) میں ایک نائٹ کلب پر بم دھماکہ ہوا جہاں عورتیں جمع ہوتی تھیں اور ۱۹۹۸ء میں برمنگھم (BIRMINGHAM) میں ایک اسقاط حمل کی ڈسپنسری پر بم دھماکہ کیا گیا جس کی "آرمی آف گاڈ" نے ذمہ داری قبول کی۔

جو لیڈران تشدد اور دہشت گردی کو جائز قرار دیتے ہیں ان میں مسٹر ریالڈ تیبو رمان کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ریالڈ تیبو رمان کا کہنا ہے کہ "یہ ضروری ہوگیا ہے کہ امریکہ میں بنیاد پرستی اور مسیحی سیاست کو نافذ کرنے کے لئے تشدد کو جائز قرار دیا جائے۔

کرسچین رائٹسٹ (Christian Rightist) امریکہ میں بہت فعال ہیں اور وہ خالص مذہبی بنیادوں پر سماج کی تشکیل چاہتے ہیں اور وہ سیکولر نظام کے سخت مخالف ہیں اور ایک خاص ایجنڈے پر عامل ہیں جس کا پہلا مقصد سیکولر نظام کی مخالفت اور ہر اس قانون کی مخالفت ہے جو قدیم خاندانی قدروں کی مخالفت کرتا ہو اور وہ اس سلسلہ میں کسی مداخلت اور کسی پابندی کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا ملکی داخلی سیاست میں اثر بڑھتا جا رہا ہے اگر چہ انسانی اور لبرل اور سیکولر حلقے ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن ان کے ہمنواؤں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور آہستہ آہستہ ان کے اثرات امریکہ کی خارجی سیاست پر پڑنے لگے ہیں امریکہ نے دوسروں کے ملکوں میں مسیحیوں کی حفاظت کا جو قانون بنایا ہے وہ اسی لابی کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ ان کے ہم خیال بڑی سیاسی پارٹیوں میں شامل ہیں ان کے اثرات وسائل ابلاغ پر بھی ہیں، متعدد ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشن اس جماعت کے ذمہ داروں کے بیانات نشر کرتے ہیں۔ سی بی این (CBN) چینل جو ان کا مؤید ہے ۶۰ ملکوں کے لئے چالیس زبانوں میں پروگرام نشر کرتا ہے۔

اجتماعی خودکشی

۱۹ اپریل ۱۹۹۳ء کو F.B.I. کے عملہ نے ٹکساس میں ایک عمارت کا محاصرہ کیا جس میں ڈیوڈ قورش اور ان کے ۷۳ معتقد جمع تھے ان کا خیال تھا کہ قیامت آرہی ہے، آخر کار انھوں نے آگ لگا کر خودکشی کر لی۔

۱۹ اپریل ۱۹۹۵ء کو اس کی دوسری سالگرہ کے موقع پر تیوتھی ماکفی نے اوکلاہوما میں فیڈرل عمارت میں انتقامی کارروائی میں دھماکہ کیا، یہ دونوں کارروائیاں دینی کٹرپن کی وجہ سے کی گئیں۔

خلاصہ کلام

امریکہ کی دینی دہشت گردی اور تشدد کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کی یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ امریکہ میں ایسی دینی جماعتیں اور تحریکات بکثرت موجود ہیں جو مسیحی رعایا کے ساتھ بدسلوکی کے الزام میں اسلامی ملکوں کے خلاف جنگ شروع کرنے کی دعوت دیتی رہتی ہیں۔ جہاں تک سیاسی اور اجتماعی تنظیموں اور تحریکوں کا تعلق ہے جو کہ سیاسی نظام سے اختلاف اور ٹکراؤ کی وجہ سے تشدد اور دہشت گردی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ تو ایسی تنظیموں اور تحریکوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور مشہور بھی ہیں۔ کوئی شخص اس کی تصدیق نہیں کر سکتا کہ امریکی حکومت کا انٹلی جنس اور سراغ رساں ایجنسیاں امریکہ کی بنیاد پرست تنظیموں اور دہشت گرد جماعتوں کو نہیں جانتی، جو ملک کے اندر دہشت گردی اور تشدد کا راستہ اختیار کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، حالانکہ امریکہ اس وقت پوری دنیا میں دہشت گرد تنظیموں کا پیچھا کر رہا ہے اور ان ملکوں کو جنگ کی دھمکی دے رہا ہے جہاں اس کے تصور کے مطابق دہشت گرد تنظیمیں پناہ لیے ہوئے ہیں، اسے اپنے ملک کی دہشت گرد تنظیموں کو پہلے ختم کرنا چاہیے۔